پاکستان زندہ باد لکھنے والے دہشت گرد نہیں

اشتیاق بیگ

کالم نگار، روزنامہ جنگ

اس کی بوڑھی زخمی ماں کا سر اس کی گود میں تھا، وہ آخری سانسیں لے رہی تھی، اس نے اپنی دم توڑتی ماں کو کلمہ طیبہ کا ورد کروایا۔ زخمی ماں نے اپنے بیٹے کی گود میں دم توڑ دیا۔ اس نے اناللہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور کہا کہ میری زندگی کی متاع لٹ چکی ہے، مجھے اب جینے کی کوئی آرزو نہیں، یہ اس عظیم ماں کی موت تھی، جس نے اپنے بیٹے کا ساتھ چھوڑنے کے بجائے موت کو ترجیح دی، تھوڑی دیر میں اسے ایک اور خبر سننے کو ملی کہ اس کا جوان بھانجا اور بھتیجا بھی مسجد کی حفاظت میں شہید ہوگیا ہے۔ اسے کہا گیا کہ وہ ہتھیار ڈال کے خود کو حکومت کے حوالے کردے، لیکن اس نے کہا کہ ہتھیار ڈالنے کے بجائے وہ شہید ہونے کو ترجیح دے گا اور کچھ دیر بعد لڑتے لڑتے اپنے ساتھیوں کے ساتھ اس نے جام شہادت نوش کیا۔

ان پر سات دن تک پانی اور خوراک کی ترسیل بند کردی گئی تھی اور وہاں محصور لوگوں نے پتے کھا کر گزارا کیا۔ جس طرح مظلومیت سے ان لوگوں نے جان دی، اس سے کربلا کے واقعے کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس وقت وہ دم توڑ رہا تھا، عین اسی وقت ایک اور مقام پر ایک نئی زندگی جنم لے رہی تھی، اس ڈر سے کہ کہیں حکومت اس کی حاملہ بیوی کو کوئی نقصان نہ پہنچائے، یہ خبر پوشیدہ رکھی گئی۔

شہید والد کی وصیت کے مطابق اس بچے کا نام ان کے اپنے نام پر یعنی عبدالرشید غازی رکھا گیا۔ عبدالرشید غازی شہید اپنے نومولود بچے کو نہ دیکھ سکے اور ان کی بیوی ان کا آخری دیدار بھی نہ کرسکی۔ کس قدر مظلومیت اور کرب سے ان لوگوں کو گزرنا پڑا۔ ان کے بڑے بھائی مولانا عبدالعزیز نے ان شہدا کی نماز جنازہ خود پڑھائی اور کہا، انہیں فخر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی سربلندی کے لیے ان کے خاندان کو منتخب کیا۔ یہ سب کس دیس کے باسی تھے کیا اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی خاص مشن پر دنیا میں بھیجا تھا، آج کی دنیا میں اس طرح کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

آپریشن کی منصوبہ بندی کرنے والوں نے اسے ''آپریشن سائلنس'' یعنی ایک خاموش آپریشن کا نام دیا۔ میڈیا اور صحافیوں کو آپریشن سے دور رکھ کر اسپتالوں اور قبرستانوں میں ان کا داخلہ ممنوع قرار دے کر اس آپریشن کو خاموش نہ رکھا جاسکا۔

یہ دنیا کا واحد آپریشن سائلنس تھا، جس میں بکتر بند گاڑیاں، ہیلی کاپٹر، گولیوں اور گولوں کی گونج آٹھ دن تک

سنائی دیتی رہی۔ اس آپریشن کے نتیجے میں معصوم بچوں اور بچیوں کی چیخ وپکار نہ صرف پاکستان، بلکہ پوری دنیا میں سنی اور محسوس کی گئی۔ یہ ایک کامیاب آپریشن بھی نہ تھا، کیوں کہ اس آپریشن کے نتیجے میں بے شمار معصوم جانیں ضائع ہوئیں۔ پاکستان کی ایک معروف مسجد اور شاید دنیا میں عالم اسلام کی سب سے بڑی درس گاہ کے خلاف یہ پہلا طویل ترین فوجی آپریشن تھا۔ وہ کارروائی جس کے آغاز میں عوام کو ''غازی برادران'' سے کوئی ہمدردی نہیں تھی۔ مذاکرات کے راستے بند کر کے اور طاقت کے بے پناہ استعمال سے حکومت نے عبدالرشید غازی، ان کے اہل خانہ اور طلبا وطالبات کو مظلوم بنادیا، ان کے قد میں کئی گنا اضافہ ہوا اور وہ عوام کی نظروں میں دہشت گرد نہیں، بلکہ شہید اور ہیرو بن گئے۔

آپریشن کے بعد ردعمل کے نتیجے میں اب تک صرف صوبہ سرحد میں سیکیورٹی فورسز اور جوانوں پر حملوں میں سو سے زیادہ اہلکار ہلاک ہو چکے ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ کہیں اس آپریشن کا انجام گولڈن ٹیمپل جیسا نہ ہو۔

اگر عبدالرشید غازی کو علما اور حکومت میں ہونے والے معاہدے کے تحت محفوظ راستہ (Safe passage) فراہم کر دیا جاتا، تو اس قدر خون ریزی اور جگ ہنسائی سے بچا جا سکتا تھا۔ معصوم لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے اس طرح کے افراد کو محفوظ راستہ دینے کی کئی مثالیں موجود ہیں۔

1999ء میں انڈین ایئر لائن کا ایک مسافر بردار طیارہ اغوا کر کے کابل لے جایا گیا۔ اغوا کنندگان نے مولانا مسعود اظہر سمیت 35 افراد جو انڈین جیلوں میں قید تھے کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ بھارتی حکومت نے اپنے 180 مسافروں کی جان بچانے کے لیے ہائی جیکروں کا مطالبہ منظور کرتے ہوئے مذکورہ غیر ملکی افراد کو رہا کر کے انہیں محفوظ راستہ فراہم کیا۔ بھارتی حکومت کے مطابق یہ لوگ سنگین جرائم اور دہشت گردی میں ملوث تھے، لیکن انہوں نے اپنے لوگوں کی زندگی بچانے کے لیے اغوا کنندگان کے مطالبات تسلیم کر لیے۔ تاریخ اس طرح کے واقعات سے بھری پڑی ہے۔

اسی طرح ایک مثال کچھ عرصے قبل ایک پاکستانی ٹیکسی ڈرائیور کے قاتل برطانوی شہری طاہر حسین کی ہے جس کو سپریم کورٹ کی طرف سے سزائے موت سنادی گئی۔

پرنس چارلس کے دورۂ پاکستان کے موقع پر ان کی استدعا پر صدر مشرف نے نہ صرف اس کی سزائے موت پر عمل درآمد کو رکوادیا، بلکہ اسے معاف کر کے ماورائے عدالت رہا کر کے خصوصی طیارے میں برطانیہ روانہ کر دیا گیا۔

مگر افسوس ہمارے حکمران اپنے ہی لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے اپنے ہی لوگوں کو محفوظ راستہ فراہم نہ کر سکے۔ ایک شخص کے ویٹو اور انا نے مسئلے کے پرامن حل کے امکانات کو ختم کر دیا۔

لال مسجد کی بے حرمتی اور قیمتی انسانی جانوں کے ضیاع کا صدمہ اس قدر شدید ہے کہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ کاش یہ دن دیکھنے سے پہلے انہیں موت آجاتی۔ اس سانحے نے مجھ سمیت ہر پاکستانی کو ہلا کر رکھ دیا۔

امریکہ کو جب مسلم ممالک میں اپنے مفادات کا حصول مشکل نظر آیا اور اس کی طرف سے طاقت کے استعمال کے منفی اثرات مرتب ہوئے تو اس نے مسلمانوں کو آپس میں لڑانے اور تقسیم کرنے کی ایک نئی حکمت عملی اختیار کی تاکہ

امریکی مقاصد کا حصول آسانی سے ہو سکے۔ عراق میں شیعہ اور سنی کو آپس میں لڑا دیا گیا اور روزانہ سیکڑوں مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں ان کی اس سازش کا شکار ہو رہے ہیں، تاکہ امریکی قبضہ تادیر برقرار رہ سکے۔ کچھ اسی طرح فلسطین میں بھی کروایا گیا، جہاں اسرائیل کی جانب سے طاقت کے بھرپور استعمال کے باوجود حماس کو شکست نہ دی جا سکی اور عوام میں اس کی مقبولیت کم نہ ہوئی تو اس نے الفتح اور حماس کو ایک دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیا اور الفتح کی پشت پناہی کی۔ کچھ اسی طرح کی صورتحال پیدا کر کے ترکی میں بھی اعتدال اور انتہا پسندوں کے نام پر قوم کو تقسیم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ پاکستان میں پہلے لسانیت اور پھر فرقہ واریت کے نام پر قوم کو تقسیم کرنے کی کوشش کی گئی، جب یہ سازش کامیاب نہیں ہوئی تو حکمرانوں کے ذریعے قوم کو دو طبقوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ حکمت عملی نہایت خطرناک ہے۔

دس جولائی کے واقعے نے قوم کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا ہے، ایک طبقہ جو اپنے آپ کو اعتدال پسند کہتا ہے اور دوسرا وہ جن کو حکومت انتہا پسند کہتی ہے۔ اعتدال پسند خوش ہیں کہ معرکہ میں جیت ان کی ہوئی ہے، انتہا پسند اپنے خلاف اس زیادتی کا الزام اعتدال پسندوں کو ٹھہرا رہے ہیں۔ میں ابھی جمعہ کی نماز جامعہ بنوریہ میں ادا کر کے آیا ہوں، جو میری مل کے بالکل سامنے سائٹ کے علاقے میں واقع ہے، جس کے مہتمم مفتی نعیم ہیں، جنہوں نے لال مسجد کے تنازع میں ثالثی کا کردار ادا کرنے کی بے حد کوشش کی۔

جامعہ بنوریہ بھی لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی طرح ایک بہت بڑی دینی درس گاہ ہے، جہاں چار ہزار طلبہ دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں، جس میں کئی غیر ملکی طلبا بھی شامل ہیں۔ میں نے امریکن کونسل جنرل کو اس مدرسے میں کئی بار آتے دیکھا ہے، کیونکہ یہاں کچھ امریکی طلبا بھی زیر تعلیم ہیں۔ میں جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لیے گیا تو مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی، مجھے مسجد سے ملحقہ مدرسے کے ایک کمرے میں نماز پڑھنے کی جگہ ملی، میرے اردگرد مدرسے کے چھوٹے بچے نماز پڑھ رہے تھے، ان کے معصوم چہروں پر خوف اور صدمے کے آثار تھے۔

خطبے میں مولانا نے لال مسجد میں ہونے والے قتل عام کا ذکر کیا، وہ کہہ رہے تھے کہ شہید مظلوم ہوتا ہے نہ کہ ظالم۔ معصوم بچوں کو مارنے والے ظالم اپنے آپ کو شہید نہیں کہہ سکتے۔

نماز کے بعد جب دعا کا وقت آیا تو مولانا نے دعا کی اور صدر مشرف کو اس واقعہ کا ذمہ دار ٹھہراتے ہوئے کہا کہ وہ امریکہ کی خوشنودی کے لیے اپنے ملک کے مسلمان بھائیوں کو قتل کروا رہا ہے، مولانا نے ہچکیوں سے روتے ہوئے یہ دعا کی کہ یا اللہ ہمارے بچوں اور بچیوں کو جنہوں نے بے دردی سے قتل کیا، انہیں ہدایت دے اور اگر ہدایت ان کے نصیب میں نہیں تو انہیں نیست و نابود کر دے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین ہے کہ ملک کے کروڑوں مسلمانوں کی بددعائیں ضائع نہیں جائیں گی، ایسے وقت میں کئی نمازیوں پر رقت طاری ہوگئی اور میری آنکھوں میں بھی آنسو آ گئے۔

آج یہ دوسرا موقع تھا کہ صبح ڈاکٹر شاہد مسعود کا کالم ''کون تھیں؟ کہاں چلی گئیں؟'' میں ان دو معصوم بہنوں کے متعلق پڑھ کر میری آنکھیں پرنم ہوگئیں تھیں۔

میں سوچ رہا ہوں کہ میرا شمار کس طبقے میں ہوتا ہے، چوں کہ میری داڑھی نہیں اور میں ڈھیلا ڈھالا لباس زیب تن نہیں کرتا، اس واقعے سے قبل میں اپنے آپ کو ایک اعتدال پسند مسلمان سمجھتا تھا، لیکن اسلام آباد کے واقعے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ وہاں جو ظلم ہوا، اس پر میرا دل خون کے آنسو رو رہا ہے، میں اس زیادتی کو برا سمجھ رہا ہوں۔

دعا کے دوران میری بھی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے۔ اگر سیکڑوں بے گناہ اور معصوم لوگوں (جن میں بچیاں بھی شامل ہیں) کی ہلاکت کو جائز قرار دینا اور طاقت کے اندھا دھند استعمال کی حمایت کرنا، صدر مشرف اور افواجِ پاکستان کو مبارک باد دینا، اعتدال پسندی ہے تو میرا خیال ہے کہ میرا تعلق اس طرح کے اعتدال پسند طبقے سے نہیں ہے۔

عجیب اتفاق تھا کہ جس وقت ٹی وی پر عبدالرشید غازی اور ستر افراد کی ہلاکت اور لال مسجد پر قبضے کی خبر نشر کی جارہی تھی، اسی وقت حکومت کی جانب سے ایک اور خبر سلائیڈ کی صورت میں ٹی وی پر دکھائی جارہی تھی کہ امریکہ نے دو استعمال شدہ ایف سولہ طیارے پاکستان کے حوالے کردیے۔

شاید سیکڑوں لوگوں کی جانوں اور مسجد کی بے حرمتی پر امریکہ کی جانب سے حکومت پاکستان کو یہ ایک تحفہ تھا، جو حکومت کی شاندار کارکردگی پر انہیں دیا گیا۔ کیا اتنے بے گناہ لوگوں کے سروں کی قیمت صرف دو استعمال شدہ طیارے؟

میں نے کئی دہشت گردوں کی تصاویر دیکھی ہیں اور ان کے متعلق سنا ہے، مگر اسلام آباد میں مارے جانے والے دہشت گرد نہیں تھے، کیونکہ ان کے چہروں پر ایک ایسا نور تھا، جو دہشت گردوں کے چہروں پر نہیں ہوتا، ان کے چہروں پر وہ اطمینان تھا، جو خدا کے خاص بندوں کے چہروں پر مرنے کے بعد ہوتا ہے

۔ کہتے ہیں کہ دہشت گردوں کا نہ تو کوئی مذہب ہوتا ہے اور نہ ہی ملک۔ تو پھر ایسے لوگوں کو آپ دہشت گرد کیسے کہہ سکتے ہیں، جنہوں نے اسلام کی خاطر اپنی جانوں کا نذرانہ دیا۔ وہ پاکستان کے مخالف نہیں، بلکہ ملک سے پیار کرنے والے لوگ تھے۔ ان کے مدرسے کے ایک کمرے میں جہاں خون کے نشانات اور ٹوٹی پھوٹی چوڑیاں فرش پر بکھری ہوئی تھیں، اسی کلاس کے تختہ سیاہ (Black Board) پر تحریر تھا۔ ''پاکستان زندہ باد۔''

☆☆